نے ، بلکہ خود بھارت کے ممتاز مسلم دانش وروں ، مثلاً سید سلیمان ندوی اور اس پایہ کے دوسرے اہلِ علم نے خراج تحسین ادا کیا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا دہلی کے حکمران ، خود اپنی ہی روحانی روایات اور گاندھی جی کی قربانی کا پاس کرتے ہوئے کشمیر میں حالیہ خونی ڈرامے کو بند کرنے کے لیے کوئی قدم اُٹھائیں گے؟

ہماری اخلاص سے یہ رائے ہے کہ دہلی کے حکمران اس ڈرامے کو بند کرکے دُنیا اور اقوامِ متحدہ میں اپنی گرتی ہوئی اخلاقی اور سیاسی ساکھ کو بحال کرسکتے ہیں ۔ اگر اس نے کوئی قدم اٹھانا ہے تو بہت جلد اُٹھائیے ، کیوں کہ وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ اور وہ کسی کی خاطر اپنی رفتار اور فیصلے کو نہیں بدلتا ۔ قرآن مجید نے سچ فرمایا ہے کہ قوموں کی بربادی کے اسباب خود اس کے اندر پنہاں ہوتے ہیں ، ورنہ فطرت ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرتی ، وہ خود اپنے ظلم وستم کا شکار ہوتی ہیں ۔

مالک رام

المعارف کا یہ شمارہ پریس میں جاچکا تھا کہ خبر ملی برصغیر کی معروف علمی و ادبی شخصیت مالک رام (بوجہ) ملکِ بقا کے سفر پہ روانہ ہوگئے ہیں اور وہاں پہنچ گئے ہیں جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا ۔

مالک رام کا شمار ان ہندو اہلِ علم میں ہوتا ہے جنھیں دوسری تہذیبوں سے گہری دلچسپی تھی۔ مالک رام نے نہ صرف اسلامی روایات اور فلسفے کا مطالعہ کیا تھا ، بلکہ اُنھوں نے اس کی صحت مند روایات کو اپنے اندر کامیابی سے جذب بھی کرلیا تھا۔ اس لیے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ ہندو مسلم کلچر کی چلتی پھرتی خوب صورت تصویر تھے ۔ ہندوؤں کے علاوہ وہ مسلم جماعت کے سرکردہ رہنماؤں ۔ اقبال ، ابوالکلام آزاد ، سید سلیمان ندوی ، مولانا حسین احمد مدنی سے ملتے رہے ، اور مولانا غلام رسول مہر ، فیض احمد فیض ، امتیاز علی عرشی ، قاضی عبدالودود ، احمد شاہ بخاری وغیرہ سے قریبی تعلقات رکھتے تھے ۔ افسوس ! کہ علم وادب اور اخلاق و شرافت کی وہ شمع ، جو ادھر نصف

صدی سے جہالت، نفرت، جمود اور تعصب کی شبِ تاریک میں جل رہی تھی، ۱۵ اپریل ۱۹۹۳ء کی شب کو بجھ گئی۔

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

ہماری ان سے نیازمندی سن پچاس کی دہائی سے شروع ہوئی، جب وہ قاہرہ میں اپنی ملازمت کے سلسلے میں مقیم تھے اور فقیر مرحوم ریاست بہاول پور کی طرف سے بہ غرضِ تعلیم وہاں تھا۔ مالک رام پر تفصیلی مقالہ آئندہ شمارے میں آئے گا، سرِدست اختصار سے یہ کہنا ہے کہ جب فقیر اپنی اعلیٰ تعلیم کے لیے کیمبرج یونیورسٹی پہنچا تو انھوں نے بھارت سے ایک نہیں، قرآن کی کئی قدیم تفسیروں کی عکسی تصاویر مجھے بھجوائیں جو تصوّف اور تفسیر پر مقالہ لکھنے کے لیے درکار تھیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ انگلستان میں پی ایچ ڈی کا مشورہ انھوں نے مجھے دیا تھا۔ اگر اس سلسلے میں ان کی امداد شاملِ حال نہ ہوتی تو نہ میں لندن جاتا اور نہ ڈاکٹریٹ کا مقالہ پایۂ تکمیل تک پہنچتا۔

ہمیں یقین ہے کہ عالمِ بالا میں بزمِ ارواح نے ان کا ان کے شایانِ شان استقبال کیا ہوگا اور ان کی بے چین روح کو قرار آگیا ہوگا۔

(رشید احمد)